کیا مزارعت ناجایز اور مکان کا کرایہ ربا ہے؟

محمد صغیر حسن معصومی

بعض دوستوں کا خیال ہے کہ مزارعت ناجایز ہے اور انہیں اصرار ہے کہ مکان، زمین اور کھیت کا کرایہ سود و ربا ہے اور مکان کرایہ پر دینا ہرگز جایز نہیں - اپنے دعوی کی دلیل میں پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ و السلام کا فرمان پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ بنا بریں اس مسئلے کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ موافق و مخالف احادیث(۱) پیش خدمت ہیں۔

امام بخاری نے (جامع صحیح جلد ۱ ص ۳۵۸، مصطفائی پریس ۱۳۰۷ھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کا گذر ایک بار ایک لہلہاتے کھیت پر ہوا، آپ‌ؐ نے فرمایا یہ کس کا کھیت ہے؟ لوگوں نے کہا: فلاں شخص نے اس کھیت کو کرائے پر دیا ہے۔ آپ نے تنبیہ فرمائی کہ اس شخص کے لئے یہ بہتر ہوتا کہ اس کھیت پر کوئی مقرر اجرت نہ لیتا اور کرایہ پر لینے والے کو بخشدیتا۔ (یعنی مالک کو ثواب ملتا۔ اور یہ خیر کا کام سمجھا جاتا)۔ شارحین حدیث کا بیان ہے کہ حضورؐ کے اس فرمان کی وجہ یہ ہے کہ لوگ زمین کے کرایے پر جھگڑ پڑتے تھے، یاآپؐ نے ناپسند فرمایا کہ لوگ کھیتی کے اتنے ہیں پڑیں۔ مبادا زراعت میں مشغول

---

(۱) جامع صحیح بخاری اور سنن ابن ماجہ میں زمین کے کرایہ کے بارے میں مستقل ابواب ہیں، کرایہ خود عربی‌الاصل لفظ ہے، 'کراء' کے معنے کرایہ پر دینا ہے۔ اجارۃ اور استیجار بھی اسی معنے میں مستعمل ہیں۔ زمین اور مکان کرایہ پر دینے کا رواج نہایت قدیم ہے، یہ رواج آج سے چودہ سو برس پیشتر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی موجود تھا۔

ہو کر اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے سے بیٹھ جائیں، اور غفلت و سستی میں پڑ جائیں۔

امام مسلم نے (الجامع الصحیح مع النووی ج ۲ ص ۱۲) حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ بکیر (راوی) کہتے ہیں مجھ سے نافع نے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ فرماتے تھے: ''ہم لوگ اپنی زمین کرایہ پر دیتے تھے، پھر جب رافع بن خدیج کی حدیث کو سنا تو ہم نے یہ ترک کر دیا۔

امام مسلم کے علاوہ امام بخاری نے بھی رافع کی حدیث نقل کی ہے، کتاب الحرث (بخاری ج ۲ ص ۳۱۵) باب کراء الارض بالذھب و الفضة (سونے چاندی کے عوض زمین کرایہ پر دینے کا باب) کے تحت امام بخاری فرماتے ہیں: حضرت ابن عباسرض فرماتے تھے کہ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سفید (خالی) زمین کو ابتداء سال سے انتہاء سال تک اجارے پر (اجرت لے کر یعنی کرائے پر) دو۔

اس کے بعد رافع بن خدیج کی روایت بیان کرتے ہیں کہ رافع کے چچا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم زمین کرایہ پر دیتے تھے اس شرط پر کہ مالک کو فصل کی چوتھائی یا کوئی مطلوب شئے دی جائے، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ حدیث کے راوی حنظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے رافع سے پوچھا کہ دینار و درھم کے عوض (کرایہ پر دینا) کیسا ہے؟، رافع نے کہا اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم (ج ۲ ص ۱۲) میں لکھا ہے کہ زمین کرایہ پر دینے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، طاؤس اور حسن بصری کا قول ہے کہ زمین کرایہ پر دینا کسی حال میں جایز نہیں، سونے چاندی کے عوض ہو کھانے

کی جنس کے عوض ہو یا فصل کے کسی جزء کے عوض ہو، یہ قول حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث پر مبنی ہے جن سے روایت ہے : ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن کراء الارض،، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرمایا) - یہ منع علی الاطلاق ہے، اس میں کسی شرط و قید کا ذکر نہیں ہے -

امام شافعی امام ابو حنیفہ اور بہت سے آئمہ کا قول ہے کہ زمین اجارے (کرائے) پر دینا جایز ہے، سونے چاندی کے عوض ہو، طعام اور کپڑے کے عوض ہو، یا ساری زراعتی اجناس کے عوض ہو، لیکن اس زمین میں مزروعہ فصل کے کسی جزء مثلاً ثلث، ربع، کے عوض جایز نہیں، کہ یہ مخابرہ ہے، اور نہ یہ جایز ہے کہ کسی معین قطعہ زمین کی فصل کی ادائیگی کی شرط پر زمین کرایہ پر دی جائے -

ربیعہ فرماتے ہیں کہ صرف سونے چاندی کے عوض زمین کرایہ پر دینا جایز ہے - امام مالک کا قول ہے کہ سونے چاندی نیز دوسری اشیاء کے عوض اجارہ جایز ہے، البتہ طعام کے عوض جایز نہیں -

امام احمد ابو یوسف، محمد بن حسن، مالکیوں کی ایک جماعت اور دوسروں کے نزدیک زمین اجارہ پر دینا سونے چاندی کے عوض، ثلث و ربع وغیرہ کے عوض (کھیتی کرنے کو دینا) جایز ہے - ابن سریج ، ابن خزیمہ ، خطابی اور محققین شوافع کا قول بھی یہی ہے - اور یہی قول راجح اور پسندیدہ ہے،، -

امام مالک، امام احمد، قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن، اور محققین کے نزدیک جایز ہونے کی بنیاد ظاہر ہے ذیل کی احادیث پر قایم ہے :

صحیح بخاری (کتاب الحرث)، صحیح مسلم (کتاب البیوع)، سنن ابی داؤد (کتاب البیوع)، سنن نسائی (کتاب الایمان) مسند امام احمد (جلد ۲ : ۶) میں ذیل کی حدیث ضبط کی گئی ہے :

(لقد کنت) اعلم فی عہد رسول اللہ ان الارض کانت تکری، البتہ میں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین کرائے پر دی جاتی تھی۔

سنن ابی داؤد (کتاب البیوع) ، سنن دارمی (کتاب البیوع)، اور مسند امام احمد (ج ۱، ۱۸۲) میں حدیث کے حسب ذیل الفاظ منضبط ہیں : 'و رخص لنا ان نکریھا بذھب، بالذھب او فضۃ، الورق، ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ سونے یا چاندی (ورق) کے عوض زمین کرایہ پر دیں۔

صحیح مسلم (کتاب البیوع ص ۱۶۳) ، سنن نسائی (کتاب الایمان : ۵۰) میں حسب ذیل الفاظ مذکور ہیں : فنکریھا، و نکریھا بالثلث و الربع : تو ہم زمین کرائے پر دیتے تھے ثلث اور ربع (پیداوار) کے عوض، طبرانی (باب الکراء : ۵۰) کے حسب ذیل الفاظ سے صحابہ کرام کے عمل کی وضاحت ہوجاتی ہے : ان عبدالرحمن بن عوفؓ تکاری أرضا لم تزل فی یدیہ : حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس زمین کو کرائے پر دیتے تھے جو ان کے قبضے میں تھی۔

سنن نسائی (کتاب الایمان : ۵۰) کے الفاظ یہ ہیں : لیس باستکراء الارض بالذھب و الورق بأس، سونے اور چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینے میں کوئی مضایقہ نہیں۔

جامع صحیح بخاری میں (ج ۱ ص ۳۱۰، مطبع مصطفائی) باب کراء الارض بالذھب و الفضۃ مستقل باب ہے۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ (کتاب الرھون ص ۱۷۹) میں بھی یہ روایتیں موجود ہیں جن سے سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینے کا جواز ظاہر ہے۔

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار جلد دوم کتاب المزارعۃ و المساقاۃ

میں ان ساری احادیث کو جمع کردیا ہے(۱) جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزارعت یعنی کھیت اجارہ پر دینا جایز نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیت یا زمین (یا حائط) پیداوار کے کسی حصے کے عوض پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

امام طحاوی نے ان احادیث کو بیان کرنے کے بعد ان روایات پر بھی تبصرہ کیا ہے، جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزارعت سے منع کرنا ایک خاص موقع کے لئے تھا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت جو جامعین قرآن میں سب سے اہم رکن تھے، اور جن کی فقاہت اور شرعی احکام میں مہارت سارے صحابہ میں مسلم ہے فرماتے ہیں: یغفر اللہ لرافع بن خدیج انا و اللہ کنت اعلم بالحدیث منہ، انما جاء رجلان من الانصار الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اقتتلا فقال ان کان ھذا شانکم فلا تکروا المزارع فسمع قولہ لاتکروا المزارع۔ (رافع بن خدیج کی روایت گذر چکی ہے) ''اللہ تعالیٰ رافع بن خدیج کی مغفرت کرے، واللہ میں ان سے زیادہ حدیث کا علم رکھتا ہوں، (واقعہ یہ ہے) کہ انصار میں سے دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ دونوں ایک دوسرے سے سختی کے ساتھ جھگڑ رہے تھے، حضورؐ نے اس پر فرمایا کہ اگر تمہارا یہ حال ہے (کہ دوسرے کے کچھ زیادہ لینے یا چاہنے پر صبر نہیں کر سکتے۔) تو اپنے کھیتوں کو کرائے پر نہ دو، تو (رافع نے) حضورؐ کے قول ''لاتکروا المزارع،، کو سنا۔

---

(۱) چونکہ یہ حدیثیں صحیحین نیز صحاح ستہ کے دوسرے مجموعوں میں مذکور ہیں، جن کے راویوں کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی روایتیں قابل قبول ہیں، اس لئے اس بحث میں پڑنا فضول معلوم ہوتا ہے کہ فلاں راوی کو فلاں نے قابل جرح قرار دیا ہے اور فلاں نے ان کے عقیدے کو اہل السنت و الجماعۃ کے عقیدے کے خلاف بتایا ہے۔ کیونکہ معاصرین اپنے عہد کے لوگوں کی علمی حیثیت برتری یا فضیلت کو مشکل سے قابل اعتناء سمجھتے ہیں، اور کچھ نہ کچھ عیب جوئی ضرور کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ سلف میں یہ خوآج کی بہ نسبت بہت کم تھی اور خصوصاً قرون اولی میں یہ فطری عادت مسلمانوں میں نہایت ابتدائی دور میں تھی، البتہ فتنوں کے دروازے کھل چکے تھے، اور فرقہ وارانہ عصبیت کا ظہور ہو چکا تھا، بنا بریں رواۃ کے متعلق جرح و قدح کو بنیاد بنا کر روایات کے انکار کو موضوع بنانا کسی طرح معقول نہیں۔

حضرت زید بن ثابت کے اس قول کو بیان کرنے کے بعد امام ابو جعفر طحاوی تبصرہ فرماتے ہیں : فهذا زید بن ثابت رضی الله عنه یخبر ان قول النبی صلی الله علیه وسلم ''لاتکروا المزارع،، النهی الذی قد سمعه رافع لم یکن من النبی صلی الله علیه وسلم علی وجه التحریم، انما کان لکراهیة وقوع الشر (السوء) بینهم : تو زید بن ثابت رض خبر دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ''لاتکروا المزارع،، یعنی نہی جس کو رافع نے سنا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حرام قرار دینے کے طور پر نہیں تھا، بلکہ صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان شر (سوء) واقع ہونے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تھا۔

حضرت ابن عباس کے قول سے، جو حبر الامة، ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت سے شرعی احکام کو خوب سمجھتے تھے، اور ربا کے حکم سے بھی پوری طرح واقف تھے، حضرت زید بن ثابت کے قول کی تائید مزید ہوتی ہے :

عن عمر و بن دینار عن طاؤس قال قلت له یا ابا عبدالرحمن لو ترکت المخابرة، فانهم یزعمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عنها، فقال اخبر نی اعلمهم یعنی ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم ینه عنها، و لکنه قال ''لان یمنح احدکم اخاه ارضه خیر له من ان یاخذ علیها خراجاً معلوماً : عمرو بن دینار طاؤس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ان (طاؤس) سے کہا اے ابو عبدالرحمن کاش آپ مخابرہ (کھیت اجارے پر دینا) ترک کر دیتے۔ کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں (زعم کا مفہوم ہے کہ حقیقت کچھ اور ہے البتہ لوگ خیال کرتے ہیں اگرچہ یہ خیال غلط ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے جواب دیا کہ ان میں سب سے زیادہ علم والے یعنی حضرت ابن عباس رض نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اس (مخابرہ) سے منع نہیں فرمایا، البتہ حضور نے فرمایا : تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اپنی زمین عطا کر دے تو یہ یقیناً بہتر ہے اس سے کہ اس زمین پر ایک معلوم و معین خراج لے ''۔

ایک دوسری سند کے ساتھ عمرو بن دینار سے مزید یہ الفاظ مروی ہیں :

''فبین ابن عباس رضی اللہ عنھما ان ما کان من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلك لم یکن للنھی و انما اراد الرفق بھم''۔ تو حضرت ابن عباس رض نے بیان کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا (کہ اپنے بھائی کو اپنی زمین بخشدے یہ بہتر ہے اس کے عوض خراج معلوم لینے سے) تو اس سے مقصود نہی اور منع کرنا نہیں تھا آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپس میں رفق و محبت (اور داد و دھش) کا معاملہ کریں۔

من جملہ دیگر روایات و آثار کے جن سے حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس کے بیان کردہ مفہوم کی مزید تائید ہوتی ہے، امام طحاوی نے حضرت سعد بن وقاص (ص ۲۱۰) کی روایت بھی بیان کی ہے :

عن سعید بن المسیب عن سعد بن ابی وقاص قال کان الناس یکرون المزارع بما یکون علی الساقی و بما یسقی بالماء مما حول البیر فنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلك وقال اکروھا بالذھب و الورق، ''سعید بن مسیب حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں، حضرت سعد نے فرمایا کہ لوگ کھیتوں کو کرائے پر دیتے تھے اس پیداوار کے عوض جو نالی کے کنارے اُگتی تھی اور کنویں کے ارد گرد کے پانی سے سیراب ہوتی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ سونے چاندی کے عوض کرائے پر دو''۔

حضرت سعد کی یہ روایت اس بات کی مزید وضاحت کرتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینے کو مباح فرمایا

ہے۔ اس کی تائید میں دوسری روایتیں جو صحیحین میں منضبط ہیں قبل بیان کی جا چکی ہیں۔

اہل خیبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ نصف پیداوار پر سب کے نزدیک مسلم ہے اور یہ معلوم ہے کہ حضورؐ نے خیبر کی فتح کے بعد وہاں کے باغات اور کھیتوں کا معاملہ کیا تھا۔ سارے آثار و روایات کا تجزیہ کرنے کے بعد امام طحاوی نے یہ تبصرہ کیا ہے: ففی هذه الآثار دفع النبی صلی الله علیه وسلم خیبر بالنصف من تمرها و زرعها، فقد ثبت بذلك جواز المزارعة و المساقاة ولم یضاد ذلك ماقد تقدم ذکرنا له من حدیث جابر رضی الله عنه و رافع و ثابت رضی الله عنهما لما ذکرنا من حقایقها: "ان آثار میں یہ بات واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو اس کی کھیتی اور کھجور کی پیداوار کے نصف پر دیا، تو اس سے مزارعت و مساقاۃ کا جواز ثابت ہے۔ اور یہ حضرت جابر بن عبداللہ، رافع اور ثابت کی حدیثوں کے جن کو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور جن کے حقائق واضح کر چکے ہیں، خلاف نہیں ہے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حضورؐ نے خیبر کے کھیتوں اور باغات کو نصف پیداوار کے عوض یہود مالکوں کے قبضے میں رہنے دیا تھا، یہ معاملہ کسی طرح سیاسی نہیں تھا اور نہ خراج کی شکل تھی، پھر مساقاۃ کے جواز میں اسے دلیل بنایا نہیں جاتا۔ اور نہ اکثر علماء احناف اور متبعین امام احمد مزارعت 'ببعض ما یخرج من الارض' کو جایز قرار دیتے۔ ابن قدامہ (المغنی ج ۵ ص ۳۸۲-۳) مزارعت کے معنی کی تشریح کے بعد لکھتے ہیں: وهی جایزة فی قول کثیر من اهل العلم، قال البخاری قال ابو جعفر ما بالمدینة اهل بیت الا ویزرعون علی الثلث و الربع، و زارع علی و سعد و ابن مسعود و عمر بن عبدالعزیز و القاسم و عروة و آل ابی بکر و آل علی و ابن سیرین، و ممن رأی ذلك سعید بن المسیب و طاؤس و عبد الرحمن بن الاسود و موسی بن طلحة و الزهری و عبدالرحمن بن ابی لیلی و ابنه و ابو یوسف و محمد، و روی ذلك عن معاذ و

الحسن و عبدالرحمن بن یزید ، قال البخاری : و عامل عمر الناس علی انه جاء عمر بالبذر من عنده فله الشطر و ان جاءوا بالبذر فلهم کذا، و کرهها عکرمة و مجاهد و النخعی و ابو حنیفة رض۔

و روی عن ابن عباس الامران جمیعا، و اجازها الشافعی فی الارض بین النخیل اذا کان بیاض الارض اقل، فان کان اکثر فعلی وجهین و منعها فی الارض البیضاء لما روی رافع بن خدیج الخ۔

''اکثر اهل علم کے نزدیک مزارعت جایز ہے۔ بخاری نے کہا ابو جعفر کہتے تھے کہ مدینہ کا کوئی گھر والا نہ تھا جو تہائی اور چوتھائی پر کھیتی نہ کرتا تھا، حضرت علی سعد، ابن مسعود، عمر بن عبدالعزیز، قاسم، عروۃ، آل ابی بکر، آل علی، اور ابن سیرین مزارعت کرتے تھے ، اور جن لوگوں نے مزارعت کو جایز سمجھا ان میں سعید بن مسیب، طاؤس، عبدالرحمان بن الاسود، موسی بن طلحہ، زهری، عبدالرحمان بن ابی لیلی اور ان کے بیٹے، ابو یوسف اور محمد تھے، (اور مزارعت کے جواز کی روایتیں) معاذ، حسن اور عبدالرحمن بن زید سے بیان کی گئی ہیں ۔ بخاری فرماتے ہیں عمررض نے لوگوں سے معاملہ کیا اس شرط پر کہ بیج عمر کا ہوگا تو ان کو ایک حصہ ملے گا۔ اور اگر لوگ بیج لے کر آئے تو ان کے لئے اتنا اور اتنا حصہ ہے۔ مزارعت کو مکروہ سمجھنے والے عکرمہ، مجاهد، نخعی اور ابو حنیفہرض تھے۔

ابن عباسرض سے دونوں باتیں مروی ہیں (جواز بھی اور کراہت بھی)، شافعی نے مزارعت کو جایز رکھا بشرطیکہ مزارعت ایسی زمین میں ہو جو کھجور کے درختوں کے درمیان ہو اور خالی زمین کمتر ہو۔ اور اگر بیشتر ہو تو دونوں وجہ پر (ان کا قول ہے یعنی جواز بھی اور عدم جواز بھی) ، اور خالی زمین کی مزارعت کو ممنوع کہا ہے رافع بن خدیج کی حدیث کی وجہ سے''۔

ابن قدامہ اپنی دلیل میں فرماتے ہیں : و لنا ما روی ابن عمر ان رسول

اللهصہ عامل اہل خیبر (۳۸۰) بشطر ما یخرج منها من زرع او ثمر، متفق علیه، و قد روی ذلك ابن عباس و جابر ابن عبدالله،

و قال ابو جعفر عامل رسول اللهصہ اہل خیبر بالشطر ثم ابوبکر ثم عمر و عثمان و علی ثم اہلوہم الی الیوم یعطون الثلث و الربع و ھذا امر صحیح مشہور۔ عمل به رسول اللهصہ حتی مات، ثم خلفاءہ الراشدون حتی ماتوا ثم اہلوہم من بعد ہم ولم یبق بالمدینة اہل بیت الاعمل به، و عمل به ازواج رسول اللهصہ من بعده فروی البخاری عن ابن عمر ان النبیصہ عامل اہل خیبر شطر ما یخرج منها من زرع او ثمر فکان یعطی ازواجه مائة وسق، ثمانون و سقا تمرا و عشرون و سقا شعیرا، فقسم خیبر فخیر ازواج النبیصہ ان یقطع لہن من الارض و الماء او یمضی لہن الاوسق فمنہن من اختار الارض و منہن من اختار الاوسق، و کانت عایشه اختارت الارض، و مثل ھذا لا یجوز ان ینسخ۔

''ہماری دلیل (جواز مزارعت کی) حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول الله صلی الله علیه وسلم نے اہل خیبر سے معاملہ (کھیتوں اور کھجوروں کے باغ کا) کیا کہ کھیتی اور کھجوروں کی پیداوار کا ایک حصہ دیں گے ۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کیا ہے ۔ اور اس روایت کو ابن عباس اور جابر بن عبدالله رضی الله عنہم نے بھی بیان کیا ہے ۔

ابو جعفر ابن قدامہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی الله علیه وسلم نے اہل خیبر سے ایک حصے کی ادائیگی پر (مزارعت کا) معاملہ کیا۔ پھر حضرت ابو بکر نے پھر حضرت عمر نے اور عثمان اور علی رضی الله عنہم نے، پھر ان کے خاندان کے لوگ آج تک تہائی اور چوتھائی پر دیتے ہیں، یہ ایسی مشہور بات ہے کہ اس کے مطابق حضور صلی الله علیه وسلم نے عمل کیا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے، پھر خلفاء راشدین نے عمل کیا یہاں تک کہ وہ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، ان کے بعد ان کے گھر والے عمل کرتے رہے، اور مدینہ منورہ

میں کوئی گھر والا ایسا نہیں جس نے اس کے مطابق عمل نہ کیا ہو، پھر حضورؐ کے بعد ان کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین نے عمل کیا۔ چنانچہ بخاری ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے کھیتی اور کھجور کی پیداوار کے ایک حصے پر مزارعت کا معاملہ کیا، تو اپنی ازواج یعنی امت کی ماؤں کو ایک سو وسق دیا کرتے تھے، اسی وسق کھجور اور بیس وسق جو، اس طرح خیبر کو تقسیم کیا پھر امہات المومنین رض کو اختیار دیا گیا کہ زمین اور پانی اختیار کریں یا ایک سو وسق لیتی رہیں، ان میں سے بعض امہات‌المومنین نے زمین کو اختیار کیا اور بعض نے سو وسق کو، حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے زمین اختیار کی۔ ایسے معاملے پر نسخ کا اطلاق جایز نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کی تائید امام ابو یوسف کی کتاب‌الخراج سے ہو جاتی ہے : (دیکھئے صفحہ ۵۰، بولاق) امام ابو یوسف نے بیان کیا ہے کہ اہل حجاز اور اہل مدینہ میں سے ہمارے اصحاب نے ارض بیضاء من مزارعت بالنصف والثلث کو مکروہ اور فاسد بتایا ہے، ان کے نزدیک ''ارض بیضاء، نخل و شجر سے مختلف ہے اور ثلث و ربع کے عوض نخل و شجر کے پھل کے بیچنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ البتہ اہل کوفہ کے حنفیوں میں اختلاف ہے، جو لوگ نخل و شجر کے مساقاۃ کو جایز سمجھتے ہیں وہ ''مزارعت فی الارض‌البیضاء بالنصف و الثلث،، کو بھی جایز سمجھتے ہیں اور جو مساقاۃ کو مکروہ گردانتے ہیں وہ مزارعت کو بھی مکروہ بتاتے ہیں۔ پھر انھوں نے خود اپنا عندیہ ظاہر کیا ہے کہ میرے نزدیک جایز مستقیم اور صحیح ہے۔

ان ساری تفصیلات اور تاریخی معاملات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسب ذیل نتائج ناگزیر معلوم ہوتے ہیں :

۱ - اہل مدینہ جو اکثر و بیشتر زراعت پیشہ تھے، اور شب و روز بارگاہ

نبوی کی حاضری سے مستفید ہوتے تھے وہ ظاہر ارشادات نبوی سے کسی طرح بے بہرہ نہ تھے، اور نہ شرعی احکام کے سمجھنے میں تغافل برتتے تھے، ان سب کا عمل مزارعت پر تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی اور بعد میں بھی، انھیں حضرت رافع اور ابن عمر نیز جابر بن عبداللہ کی روایتوں کا علم تھا، پھر بھی نہی والی حدیث پر عمل نہیں تھا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعض صورتوں میں یہ منع تہدید پر مبنی تھا اور بعض صورتوں میں تنبیہ پر، چنانچہ حضرت زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی تشریح جو اوپر بیان کی جا چکی ہے ان کی واقفیت، تفقہ اور علمیت کی دلیل ہے، اور ان کی موجودگی میں آج چودہ سو برس کے بعد ہم اپنی قیاس آرائیوں سے مزارعت کی شرعی حیثیت کو مشکوک و ممنوع نہیں قرار دے سکتے۔

۲۔ صحابہؓ کرام کے قول کے آگے امام ابو حنیفہ کی رائے کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، خود امام صاحب کا بیان ہے کہ صحابہ کے اقوال میں سے جس قول کو چاہتا ہوں اختیار کرتا ہوں، البتہ وہ تابعی کے قول کے آگے اپنا قول پیش کرتے ہیں کہ وہ خود تابعی ہیں، بنابریں، صاحبین نے صحابہ اور وہ بھی حضرت زید بن ثابت ، نیز حبرالامۃ حضرت ابن عباس اور پھر فقیہ‌الامۃ حضرت ابن مسعود حضرت علی اور خلفاء راشدین کے عمل کو اپنے استاد کے قول پر ترجیح دی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، بلکہ اپنے عمل میں استاد کے قول کے مطابق عمل پیرا رہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر کے معاملے میں دو باتیں ہیں، ایک زمین یعنی کھیتوں کی پیداوار کا معاملہ جو مزارعت کی شکل ہے: دوم کھجور کے درختوں کے پھل کا معاملہ جس کو مساقاۃ کہا جاتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ خیبر دارالاسلام میں داخل ہو چکا تھا، ایسی جگہ ذمیوں سے ربوی معاملہ (اگر مزارعت کو ربوی معاملہ کے مشابہ قرار دیں) ہرگز نہیں کیا

جا سکتا ہے ایسے معاملے کی اجازت دارالاسلام میں ذمیوں کو یا غیر مسلموں کو بھی نہیں۔ اور جیسا کہ علامہ ابن قدامہ نے تحریر کیا ہے اس معاملے کو منسوخ بھی قرار نہیں دے سکتے۔

۴۔ امام ابو یوسف اور امام طحاوی کی تشریحات جو کتاب الخراج، شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۲۱۲-۲۱۸) اور مشکل الآثار (ج ۳ ص ۲۸۲-۲۹۳) میں آثار و روایات کی روشنی میں کی گئی ہیں ان کے آگے آج کی دلیلیں کسی طرح قابل اعتناء نہیں سمجھی جا سکتیں کہ یہ کس طرح باور نہیں کیا جاسکتا : نعوذ باللہ من ذلك، کہ صحابۂ کرام یا اہل مدینہ کا عمل شارع علیہ السلام کے واضح ارشادات کے خلاف کبھی ہو سکتا ہے۔

۵۔ امام ابو یوسف نے مزارعت کو مضاربت کے مثل قرار دیا ہے، کہ شرکت سرمایہ کے نفع کی رقم جیسے مجہول ہے اسی طرح مزارعت میں کھیت کی پیداوار کی مقدار مجہول ہے، غرض سرمایہ کا تعین، اسی طرح زمین کا تعین، نفع کی مقدار کا عدم تعین، نیز پیداوار کی مقدار کا عدم تعین ایسی مشترک باتیں ہیں جن کے پیش نظر کسی کو شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ دونوں میں مماثلت نہیں ہے۔

علاوہ ازیں بیع سلم کی طرح مزارعت بالثلث و الربع کو بھی ممنوع صورت سے الگ سمجھا جانا عین قرین قیاس ہے۔ جس کا انکار کوئی صاحب فہم و تدبر نہیں کرسکتا۔ حالانکہ بیع کی اشیاء کا متعین اور معلوم ہونا ضروری ہے، مگر بیع سلم میں، درختوں کے پھل کا تخمینہ ھی کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رض بحکم کاشانۂ نبوت اموال خیبر کا تخمینہ کرکے مسلمانوں کا حصہ الگ کرتے تھے۔

۶۔ رافع بن خدیج کی تفصیلی روایت جو حنظلہ بن القیس کے طریق سے ضبط کی گئی ہے وہ ان تمام متفق علیہا احادیث کی تشریح و توضیح کرتی ہے

جن میں 'مطلقا نہی عن کراء الارض' کے الفاظ واقع ہیں، اور یہ تشریحی و تعلیلی بیان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فہم و عمل کے بالکل مطابق ہے اور اس لئے بجا طور پر قابل اعتبار و ترجیح ہے، اور صاحبین نیز امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہ کے اقوال جواز مزارعت میں انہیں توضیحات پر مبنی ہیں۔ حنظلہ بن قیس فرماتے ہیں: سألت رافع بن خدیج عن کراء الارض بالذھب و الورق فقال لا بأس به، انما کان الناس یواجرون علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی الماذیانات و اقبال الجداول و اشیاء من الزرع فیھلك ھذا و یسلم ھذا و یسلم ھذا و یھلك ھذا. فلم یکن للناس کراء الا ھذا فلذلك زجر عنه و اما شئی معلوم مضمون فلابأس به۔ ''میں نے رافع بن خدیج سے سونے چاندی کے عوض زمین کرائے پر دینے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس میں کوئی مضایقہ نہیں۔ (منع کرنے کی وجہ تو یہ ہے کہ) لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نالیوں کے کنارے اور پانی کی کیاریوں کے گرد کی پیداوار اور کچھ کھیتی کے حصے کے بدلے میں اجارے کا معاملہ کرتے تھے، جن میں سے کچھ حصہ برباد ہو جاتا تھا، کچھ حصہ بچ رہتا تھا، اور کچھ بچتا تو کچھ برباد ہوتا تو لوگوں کو اسی حصہ کا کرایہ ملتا تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ سے جھڑک دیا، البتہ کسی معلوم اور قابل ضمانت چیز کے عوض اجارہ کیا جائے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔''

ے۔ امام ابو حنیفہ اور ابراہیم نخعی وغیرہ کے اقوال صحیح اور ظاہر یہ ہے کہ غایت تقوی پر محمول ہیں کہ یہ حضرات کوشش کرتے ہیں کہ اپنے اقوال میں موافق اور مخالف دونوں طرح کی روایتوں کو جمع کرلیں اور اس طرح 'قمرین' اور 'عمرین' جیسی اصطلاحوں کی طرح راجح اور مرجوح دونوں کو مجتمع کرلیتے ہیں۔ اس حقیقت کو کون نہیں جانتا کہ حضرت امام ابو حنیفہ اپنے لئے خلافت کی ملازمت کو جایز نہیں سمجھتے اور امام ابو یوسف کو

ایسا فرماتے ہیں کہ قضا کا عہدہ تم سنبھال لو اور اس سے انکار نہ کرو۔

۸۔ فقہاء امت نے ہمیشہ عملی پہلو کو قابل ترجیح قرار دیا ہے، اور ایسے احکام کا فتوی دیا ہے۔ جن میں قرآن و سنت کے اوامر و نواہی کی مطابقت و موافقت کے ساتھ لوگوں کو عملی سہولت کی رعایت موجود ہو کہ "الدین یسر" قول ماثور ہے، چنانچہ صاحب درالمختار (ج ۲ ص ۲۸۹، المطبع الفتح الکریم بمبئی، ۱۸۸۳ء) و عند هما تصح و به یفتی للحاجة و قیاسا علی المضاربة بشروط ثمانية: صلاحية الارض للزراعة و اهلية العاقدين، و ذكر المدة اى مدة متعارفة فتفسد بما لا يتمكن فيها منها، و بما لا يعيش اليها احدهما غالباً، و قيل فى بلادنا تصح بلا بيان مدة و يقع على اول زرع واحد و عليه الفتوى، مجتبى و بزازيه و اقره المصنف، و ذكر رب البذر و قيل بحكم العرف، و ذكر جنسه لا قدره لعلمه باعلام الارض و شرطه فى الاختيار، و ذكر قسط العامل الاخر ولو بينا حظ رب البذر و سكتا عن خط العامل جاز استحسانا، و بشرط التخليط بين الارض ولو مع البذر و العامل و بشرط الشركة فى الخارج۔

"صاحبین کے نزدیک مزارعت صحیح ہے، اور اسی قول پر حاجت کی وجہ سے فتویٰ دیا جاتا ہے، اور اس کی صحت مضاربت کے قیاس پر آٹھ شرطوں کے ساتھ مسلم ہے: (۱) زمین زراعت کے لائق ہو، (۲) عاقدین میں اہلیت ہو، (۳) مدت مذکور ہو، یعنی متعارف مدت، اگر مدت کی تعیین نہ ہوسکے یا عام طور پر کسی کی اس مدت کے مطابق معیشت نہ ہو، تو معاملہ فاسد ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں مدت کے بیان کے بغیر صحیح ہے۔ اور اول زرع پر واقع ہوتا ہے، اسی کے مطابق مجتبیٰ اور بزازیہ کا فتویٰ ہے، اور مصنف نے اسی کو ثابت رکھا ہے (۴) بیج کے مالک کا ذکر ہو، بعضوں نے کہا ہے کہ عرف کے مطابق ہو (۵) بیج کی جنس کا ذکر ہو اس کی قدر زمین کے متعلق علم ہونے سے معلوم ہوجاتی ہے (۶) کام کرنے والے کا حصہ مذکور ہو، اور اگر دونوں بیج کے مالک کا حصہ بیان کریں اور کام کرنے والے

کے حصے کے متعلق خاموش رهیں تو بهی استحساناً جایز هے (۷) ارض اور عامل میں اتصال و تخلیط هو، اور (۸) پیداوار میں شرکت کی شرط مذکور هو،

(۹) درهم و دینار کے عوض مزارعت کے جواز کے سب قائل هیں ۔ اور یہ ایسا مسئلہ هے کہ اس کا حل متفق علیہ هے ۔

(۱۰) امام سحنون المدونة الکبری (مطبعة سعادة مصر ۱۳۲۳ھ ج ۱۱ ص ۱۹۵) میں فرماتے هیں : ''و لقد بلغنی عن مالك و لم اسمعه منه انه قال فی رجل اکری ربع دار او خمس دار انه لا بأس بذلك،، مجھے امام مالک کا قول پہنچا هے مگر میں نے ان سے سنا نہیں هے کہ وہ فرماتے تھے کہ اس میں کوئی مضایقہ نہیں کہ کوئی شخص اپنے دار (مکان) کے چوتھائی یا پانچویں حصے کو کرایہ پر دے،، ۔ اس قول سے پہلے امام مالک کا قول زمین کے متعلق یہ بیان کیا گیا هے : ''و لکن الکراء بیع من البیوع فلابأس بأن یکری ربعها (ای ربع الارض) او خمسها،، ''کرایہ بیع کی ایک قسم هے پس کوئی حرج نہیں کہ چوتھائی زمین یا اس کے پانچویں حصے کو کرایہ پر دے،، ۔

کتاب المساقاة میں (المدونة ج ۱۲ ص ۳) امام سحنون نے بیان کیا هے : ''و اخبر نی ابن وهب عن ابن سمعان عن عثمان بن محمد بن سوید الثقفی عن عمر بن عبد العزیز انه کتب الیه فی خلافته و عثمان علی الطائف فی بیع الثمر و کراء الارض أن تباع کل ارض ذات أصل بشطر ما یخرج منها او ثلثه او ربعه او الجزء مما یخرج منها یتراضون ولا تباع بشئی سوی ما یخرج منها و أن یباع البیاض الذی لا شئی فیه من الاصول بالذهب و الورق،، ''ابن وهب نے ابن سمعان سے اور انھوں نے عثمان بن محمد ثقفی سے اور انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں مجھے خبر دی کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت میں عثمان کو جب کہ طائف پر متعین تھے لکھا اور پھل اور زمین کے کرائے کے متعلق (هدایت دی) کہ جڑ والی (یعنی کھیتی فصل والی) اس کے پیداوار کے ایک حصے یا تہائی

یا چوتھائی یا اتنے حصے میں بیچی جائے جس پر جانبین راضی ہو جائیں، اور پیداوار کے سوا کسی اور چیز کے عوض نہ بیچی جائے۔ اور بیاض زمین (جس میں کوئی فصل نہیں) سونے چاندی کے عوض نہ بیع کی جائے۔ (یہاں بیع سے کرائے پر دینے کا معاملہ کرنا مقصود ہے کیونکہ اس عبارت کے بعد ہی ابن سمعان کا بیان ہے: ''سمعت رجالا من اهل العلم يقولون فی الارض يكون فيها الاصل و البياض ايهما كان ردفا ألغي و اكريت بكراء اكثر هما ، ان كان البياض افضلهما اكريت بالذهب و الورق، و ان كان الاصل افضلهما اكريت بالجزء مما يخرج منها من ثمرة و ايهما كان ردفا ألغي و حمل كراؤه على كراء صاحبه۔

میں نے اہل علم کو کہتے سنا کہ جس زمین میں اصل اور بیاض ساتھ ساتھ ہوں تو کرایہ متعین کرنے میں اکثر کا اعتبار کیا جائے گا، اگر 'بیاض' زاید ہے تو سونے چاندی کے عوض کرائے پر دیا جائے گا، اور اگر 'اصل' زائد ہے تو اس زمین کے پیداوار پھل کے ایک جزء کے عوض کرائے پر دیا جائے گا۔ دو میں سے جو تابع ہوگا اس کا اعتبار نہ ہوگا، اور اس کا کرایہ ساتھ والے کے لحاظ سے متعین ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے صاحب ورع و تقوی کے خط سے مزید تائید ہوتی ہے کہ مزارعت کا بیان کردہ طریقہ برابر ہر زمانے میں معمول بنا رہا ہے۔

— — — —

مزارعت کی شرعی حیثیت کی وضاحت کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تعمیر کئے ہوئے مکان کو مقرر رقم پر کرایہ دینا کسی مقرر وقت و زمانے کے لئے ایسا معاملہ ہے جس کے جواز میں کسی کو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ معاملہ مزارعت ارض بالذهب و الفضہ کے مثل ہے جس کا جواز احادیث و آثار سے ثابت ہے، اور اس کے خلاف کسی کا قول مذکور نہیں۔ امام

سحنون نے المدونة (ج ۱۱) میں ایک طویل باب کتاب الدور والارضین کے تحت لکھا ہے۔ مکہ معظمہ کی زمین اور مکانوں کے متعلق آثار و احادیث آیندہ سطور میں ملاحظہ کیجئے۔

مکہ معظمہ کی زمین و مکانات

روایتیں بکثرت موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالی نے مکہ کو حرام قرار دیا ہے، بنابریں وہاں کے مکانات بیچنا اور مکانات کے کرایہ کی رقم کھانا حرام ہے،، البتہ عمارتوں کے بیچنے کو مباح سمجھتے ہیں :

عن عبداللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ حرم مکة فحرام بیع رباعها و اکل ثمنها، و من اکل من اجر بیوت مکة شیئا فکأنها اکل نارا (الا ثار لمحمد) عبداللہ بن عمرو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضورم نے فرمایا، بیشک اللہ تعالی نے مکہ کو حرام کیا (قابل تعظیم بنایا ہے) پس اس کے مکانات کو بیچنا، اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے، اور جنہوں نے مکہ کے گھروں کے کرائے سے کچھ بھی کھایا تو گویا انہوں نے آگ تناول کیا،،۔

امام طحاوی نے یحیی بن طریق عن عمر بن سعید کے طریق سے روایت کی ہے :

''کانت الدور علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و عثمان لا تباع ولاتکری ولا تدعی الا السوائب من احتاج سکن، و من استغنی اسکن. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں (مکہ کے گھر) نہ بیچے جاتے تھے، نہ کرائے پر دئے جاتے تھے، اور وہ سوائب (آزاد چھوڑے ہوئے) ہی کہلاتے تھے، جس کو ضرورت ہوتی وہاں ٹھہرتا، اور جس کو حاجت نہ ہوتی وہ دوسروں کو رہنے دیتا،،۔

ان آثار و روایات کی بنا پر امام ابو حنیفہ ، محمد، سفیان ثوری وغیرہ کا

قول ہے کہ ارض مکہ کو بیچنا یا اجارہ دینا جایز نہیں، عطاء بن ابی رباح اور مجاہد اس کو مکروہ سمجھتے تھے، البتہ دوسرے لوگ جیسے امام ابو یوسف اور امام طحاوی وغیرہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ مکہ کی زمین اور مکان کے بیچنے اور کرائے پر دینے میں کوئی مضایقہ نہیں، اور روئے زمین کے بلاد کی طرح مکہ کی اراضی کو بھی قرار دیا ہے - ان کی دلیل امام زہری کی روایت ہے : عن علی بن الحسین عن عمرو بن عثمان عن اسامة بن زید و هل ترک لنا عقیل من رباع او دور و هو متفق علیه، علی بن حسین سے اور انهوں نے عمر و بن عثمان سے اور انهوں نے اسامه بن زید سے روایت کیا، اور کیا همارے لئے عقیل نے کوئی زمین یا مکان گھر چھوڑا ہے؟ (یعنی بیچ دیا اور کچھ ملک میں نہیں رکھا) اس کو امام بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے (الجواهر المنیفة فی ادلة امام ابی حنیفة ج ۲)-

— — — —

امام محمد نے جامع صغیر (ص ۱۳۱) میں، امام شافعی نے کتاب الام (ج ۷ باب اجارة الدار) میں، ابو الحسین احمد القدوری (م ۴۲۸ھ) نے اپنے مختصر میں، علامه علاءالدین الکاسانی (م ۵۸۷ھ) نے اپنی کتاب بدائع الصنائع (ج ۴ ص ۱۸۲) میں، امام سحنون نے المدونة الکبری (ج ۱۳ ص ۱۳۰) میں اور علامه احمد بن یحیی بن المرتضی (م ۸۳۰ھ) نے البحر الزخار (ج ۴ ص ۳۴) میں دارو مکان مقرر رقم پر مقرر میعاد کے لئے کرایه دینے کے بہت سے مسائل بالتفصیل لکھے ہیں، کسی نے ایسے کرایه کی رقم کو ربا سے تعبیر نہیں کیا ہے، اور نه کرائے کی اجرت کو کوئی عقل سلیم ربا و سود کہه سکتی ہے -